© rasailojaraid.com

پروفیسر محمد عبدالحمید یزدانی

تمدّن۔ تہذیب۔ ثقافت
اور
فنونِ لطیفہ

بعض الفاظ کثیرالاستعمال ہونے کے باوجود اپنے معنی و مفہوم پر ایک چلمن سی ڈالے رہتے ہیں لوید یلی اُمعنی بس ایک جھلک سی دکھا کر محملِ تخیل میں مستور ہو جاتی ہے۔ تمدن۔ تہذیب اور ثقافت کے الفاظ کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ "ہماری تہذیب" "ہمارا تمدن" "ہماری ثقافت" کی آوازیں تو اکثر سننے میں آتی رہتی ہیں۔ لیکن اگر یہ پوچھا جائے کہ ان اصطلاحات کے معانی اصل میں ہیں کیا؟ تو کوئی "مختصر مگر جامع" تعریف پیش کرنا اچھے خاصے عالموں کے لیے بھی آسان نہیں ہوتا۔ "یہ مثلث" بظاہر متساوی الاضلاع دکھائی دیتی ہے۔ یعنی ان تینوں الفاظ کو عموماً ہم معنی تصور کیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس طرح کسی بھی زبان کے کوئی سے بھی دو لفظ کسی بھی صورت میں سو فی صد ایک ہی معنی کے حامل نہیں ہوتے (اور فرق چاہے انتہائی سخفیف ہی کیوں نہ ہو، ہوتا ضرور ہے) اسی طرح ان تین الفاظ کے معنی یکسر ایک نہیں ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ فرق کے باوجود ان کا باہمی رشتہ بہت قریب کا ہے بلکہ جس ترتیب سے انھیں عنوان میں درج کیا گیا ہے وہ ان کی ارتقائی صورت ہے۔

نواب محسن الملک لکھتے ہیں — "تمدّن کا لفظ آپس میں مل کر بستی پہ دلالت کرتا ہے اور سویلزیشن (تہذیب) کا لفظ تمدن کی ترقی یافتہ حالت کو بتاتا ہے نہ صرف تمدن کو" (مسلمانوں کی تہذیب مؤلفہ نواب محسن الملک مطبوعہ ہال بازار امرتسر۔ صفحہ ۱۱) پھر اسی تسلسل میں سرسید کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"سویلزیشن سے مراد انسان کے تمام افعال ارادی اخلاق اور معاملات اور معاشرت اور طریقِ تمدن اور صرفِ اوقات اور ہر قسم کے فنون و ہنر و علوم کو اعلیٰ درجہ پر پہنچانا اور ان کو نہایت خوش اسلوبی سے برتنا جس سے اصلی خوشی اور جسمانی خوبی ہوتی ہے اور تمکین و وقار اور قدر و منزلت حاصل کی جاتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز نظر آتی ہے۔"

فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاؤلی بان لکھتے ہیں :۔ "تمدن کے اصلی نظارے اقوام کے اوضاع و اطوار اور عادات و مراسم میں نظر آتے ہیں۔ بود و باش کے طور طریق، عمارات و ابنیہ کی تعمیر۔۔۔ اہلِ ملک کے مشاغل، علوم، فنون۔۔۔ یہ باتیں تہذیب و تمدن کے لوازمات ہیں۔" (تمدنِ عرب، اردو ترجمہ، سید علی بلگرامی، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء)

مندرجہ بالا اقتباسات سے کم از کم لفظ "تمدن" کا مفہوم تو بڑی حد تک واضح ہو جاتا ہے اگرچہ ڈاکٹر لی بان کے بیان کے جملہ آخر میں تمدن کے ساتھ تہذیب کا لفظ بھی شامل ہے۔ دراصل ان تینوں الفاظ میں سے کسی ایک کا استعمال بصورتِ واحد ہوتا بھی کم ہی ہے۔ اور عام طور پر تہذیب و تمدن یا تہذیب و ثقافت یا تمدن و ثقافت کی تراکیب ہی استعمال کی جاتی ہیں۔ (ہر چند کہ یہ لازمی بھی نہیں کیونکہ ہر لفظ علیحدہ علیحدہ بھی اپنے معنی کے اعتبار سے مکمل ہے اور حسبِ موقع استعمال بھی کیا جاتا ہے)

ہمارے ہاں لفظ "ثقافت" انگریزی لفظ کلچر کے معنی میں مستعمل ہے۔ انگریزی میں اس لفظ کی جامع تعریف معلوم کرنے کے لیے انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ حروفِ تہجی کے اعتبار سے یہ لفظ علیحدہ طور پر زیرِ بحث نہیں لایا گیا بلکہ ایگریکلچر یا CULTIVATED کے معانی و مطالب کے بیان میں اس کا ذکر بھی جزوی طور پر شامل کر لیا گیا ہے، البتہ سویلزیشن کا مفہوم متعین کرنے کے لیے جو مقالہ درج کیا گیا ہے اس میں لفظ کلچر کی وضاحت بھی پوری طرح ہو جاتی ہے۔ اس طویل مقالے کا خلاصہ کچھ یوں ہے :۔

"لفظ سویلزیشن بہت پرانا نہیں ہے۔ باسول کا کہنا ہے کہ ۱۷۷۲ء میں جب اُس نے یہ لفظ شاملِ لغات کرنے کی درخواست کی تو جانسن نے انکار کر دیا اور اس کی جگہ لفظ سویلٹی CIVILITY پسند کر دیا جس سے مراد محض شہریت ہے اور وہ بھی دیہاتی یا قصباتی زندگی سے اظہارِ بیزاری و تحقیر کے لیے! یہ درست ہے کہ تہذیب کا رشتہ زیادہ تر شہری زندگی سے ہی ہوتا ہے لیکن دورِ جدید میں اس بات کو بھی تسلیم کر لیا گیا ہے کہ شہروں سے دُور رہنے والوں کی بھی اپنی تہذیب ہوتی ہے۔ کیونکہ سویلٹی سے مُراد اخلاق، مروّت، خُلق اور آدمیت وغیرہ لی جاتی ہے اور یہ چیزیں غیر شہریوں میں بھی یقیناً ہوتی ہیں پھر ان کی اپنی زبان بھی ہوتی ہے، خوش سلیقگی اور مادۂ ایجاد و اختراع سے بھی وہ محروم نہیں ہوتے، سیاسی و عمرانی ادارے جیسے کچھ بھی ہوں بہر حال وہاں ہوتے ضرور ہیں، مذہبی رسوم و عقائد میں تو وہ شہریوں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی کچھ آگے ہی ہوتے ہیں (اور انہی چیزوں کے اجتماع کا نام تہذیب ہے) ۔ ۱۸۷۱ء سے یعنی ڈارون کے وقت سے لفظ سویلزیشن کے معنی میں اور بھی زیادہ وسعت پیدا ہو گئی ۔ کیونکہ اس سے قبل سویلزیشن سے مشینی ایجادات، کتب، تصاویر، مذہبی روشن خیالی، خوب صورت عمارات، علوم وفنون اور سیاسی وسماجی اداروں کی موجودگی ہی مراد لی جاتی تھی (صفحہ ۳۵،۷) لیکن اب تہذیب اس چیز کا نام نہیں کہ وحشانیت ۔ گنوارپن ۔ بربریت اور وحشیانہ پن کی تحقیر ہی کرتے رہیں ۔ بلکہ اب یہ محسوس کیا جانے لگا ہے کہ انسان اپنی تمام ترقی کے باوجود اپنے "حیوانی ورثہ" سے ہنوز وابستہ ہے یعنی اب بھی حاصل حیوان ہی ہے (وہ شہر میں ہو یا گاؤں میں) کیونکہ کھانا ۔ سونا ۔ دشمن ومصیبت سے تحفظ کا متلاشی رہنا اور موسم کے سامنے بے بس ہونا اب بھی بدستور ہے ... ہاں یہ ضرور ہے کہ اس حیوان نے زبان ۔ مذہب عقیدہ ۔ اخلاق اور آرائش وغیرہ میں خوب ترقی کر لی ہے ۔ اور یہی اس کا انسانی تمدن یا انسانی تہذیب ہے (صفحہ ۳۶،۷) ... کوئی ایجاد اس وقت تک تہذیب کا حصہ نہیں بن سکتی جب تک اسے خاص معاشرے یا قبیلے کی طرف سے قبول نہ کر لیا جائے، اور بات صرف قبولیت تک محدود نہ رہے بلکہ وہ معاشرہ یا قبیلہ اسے اپنے فکر وعمل کا ایک حصہ قرار دے ۔ (۳۸،۷)

کلچر میں سویلزیشن شامل ہے جب کہ سویلزیشن کلچر کی ایک خاص صورت کو کہتے ہیں ۔ کلچر ایک انسانی گروہ کا طرزِ زندگی ہے اس میں زندگی کے وہی طریقے شامل متصور ہوں گے جو انسانی ہیں اور حیوانی نہیں ہیں ... سویلزیشن وہ کلچر ہے جو خاصی آبادی میں خاصی مدت تک قائم رہے ۔ مثلاً رومن کلچر، انڈین کلچر وغیرہ ۔ اس کلچر کا قابلِ ذکر حصہ تحریر وتصنیف، شہروں کی آبادی وتعمیر اور وسیع سیاسی سماجی تنظیمیں ہی ہوا کرتی ہیں ... (جیسا کہ پہلے ذکر ہوا) ان تینوں الفاظ کو عموماً جوڑے کی صورت میں استعمال کیا جاتا ہے یعنی کلچر اور سویلزیشن (CULTURE AND CIVILIZATION) لیکن بعض امریکی اور جرمن فضلا نے انھیں متضاد معنی پہنانے کی کوشش کی ہے ۔ ان کے خیال میں تہذیب سے مراد تاریخِ حرفتِ اقوام ہے ۔ جو خارجی ومعروضی معلومات کا نام ہے جو سماجی وعمرانی ترقی وافزائش کا باعث ہوتی ہیں جبکہ کلچر ایک داخلی اور موضوعی چیز ہے جس کا تعلق مذہب فلسفہ اور آرٹ وغیرہ سے ہے یہ بہر حال ان لوگوں کا نظریہ ہے ورنہ عموماً اسی کو درست تسلیم کیا گیا ہے کہ کلچر اگر CLASS ہے تو سویلزیشن SUB-CLASS ہے (۳۹،۷) ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کلچر میں کسی خاص معاشرہ کے تمام لوگ شریک ہوتے ہیں اور اسے حاصل کرتے ہیں لیکن ہر کوئی سویلائزیشن کو آگے بڑھانے میں شریک نہیں ہوا کرتا۔ عراق میں چھ ہزار سال قبل از مسیح جب انسان نے شکار کے بجائے زراعت کو پیٹ بھرنے کا ذریعہ بنایا تو یہ اس تمدن کی ترقی یعنی سویلائزیشن تھی اور جب تین ہزار برس بعد کچھ بستیاں بھی بسا لیں اور چند روایات بھی قائم کر لیں تو یہ اس کی کلچرل ترقی تھی (ص۱۶۷)

سویلائزیشن میں دو رنگی ہمیشہ نمایاں ہوتی ہے۔ کیونکہ کلچرل روایات میں شرکت کرنے والے دو گروہوں میں منقسم رہتے ہیں۔ ان میں ایک گروہ خواص کا ہوتا ہے۔ جس کا تعلق لٹریچر وغیرہ سے ہوتا ہے اور تخیل و تصور کا نمائندہ ہوتا ہے۔ جبکہ دوسرا گروہ عوام کا ہوتا ہے اور اس کی نظریں تحریر و تصنیف کے بجائے مقامی عبادت گاہوں، ربوبیت و الوہیت اور دیوی دیوتاؤں پر جمی رہتی ہیں ...." (۱۶۷)

انسائیکلوپیڈیا کے جس مقالے کی تلخیص سطور بالا میں پیش کی گئی ہے اس میں بعض نظریات محل نظر ہوں تو ہوں لیکن زیر بحث الفاظ (یعنی تمدن ثقافت تہذیب) کا مفہوم سمجھانے اور متعین کرنے کے لیے اس سے خاصی مدد مل سکتی ہے۔ چنانچہ عام فہم انداز میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ :۔

۱۔ **تمدن** سے مراد انسانوں کا بستیوں میں مل جل کر رہنا ہے۔ یہ بستیاں شہروں کی صورت میں ہوں یا دیہات کی شکل میں لیکن تمدن وہاں بہرحال جلوہ فرما ہوتا ہے اور یہ اس وقت وجود میں آیا جب انسان نے شکار سے پیٹ بھرنے کے بجائے زراعت کو شکم پری کا وسیلہ بنایا۔ جب تک شکار اس کا ذریعہ شکم پری تھا تو ظاہر ہے کہ وہ جنگلوں یا پہاڑوں میں زندگی گزارنے پر مجبور رہا کیونکہ شکار وہیں میسر آ سکتا تھا۔ اور جنگلوں میں رہتا تھا تو جنگلی پن اس میں موجود تھا اور جنگلی جانوروں کے سے وحشیانہ پن اور بربریت کا اس کے مزاج میں موجود ہونا ناگزیر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مہذب اور غیر شائستہ افراد کو ہم آج بھی تحقیر یا طنز کے طور پر وحشی اور جنگلی وغیرہ کہا کرتے ہیں۔ (جانسن کا لفظ تہذیب کے بجائے لفظ شہریت کے استعمال پر اصرار کرنا اسی حقیقت کا غماز ہے)۔

۲۔ **ثقافت** تمدن کی وہ ترقی یافتہ شکل ہے جس میں بستیوں کے رہنے والے اپنی کچھ روایات قائم کرتے ہیں۔ بود و باش کے خاص طریقے وضع کرتے ہیں۔ صرف پیٹ بھر کر سو رہنے کے بجائے اپنے لیے کچھ مشاغل تلاش کرتے ہیں۔ عمارتیں تعمیر کرتے ہیں۔ سیاسی و عمرانی نظریات اور اداروں کو جنم دیتے ہیں۔ اجتماعی زندگی میں ایک خاص نظم و ضبط اور ترکیب و ترتیب کی ضرورت محسوس کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں ۔ تمدن کا ظہور ہوا تو دنیا کے مختلف خطوں میں انسانوں کے مختلف گروہوں نے مختلف وضع قطع سے بستیاں آباد کیں اور اپنے گرد و پیش کے مطابق مختلف روایات قائم کیں اور یوں کسی خاص انسانی گروہ کا طرزِ زندگی اس کا مخصوص کلچر قرار پایا (جس کا مقصد حیوانیت سے دور رہنا تھا)

۳ ۔ **تہذیب** ثقافت کی مزید ترقی یافتہ صورت کا نام ہے ۔ اور اس کا ظہور اس وقت ہوا جب انسان کا اختراعی مادہ اور بھی زیادہ بیدار ہونے لگا ، اور وہ ثقافتی لوازمات میں نہ صرف اضافہ کرنے کا قائل اور اہل ہوگیا بلکہ اسے بنانے سنوارنے اور اس کی نوک پلک درست کرنے کا جذبہ بھی اس کے اندر پیدا ہونے لگا ۔ اور مختلف ثقافتوں کی تخصیص تک نوبت پہنچ گئی ۔ اسی تہذیبی لگن کا نتیجہ وہ ثقافت تھی جسے ہم مثلاً رومن ثقافت کہا کرتے ہیں اور ثقافت کی یہی وہ ترقی یافتہ صورت تھی جسے ہم مثلاً ایرانی تہذیب کے نام سے موسوم کیا کرتے ہیں ۔ تہذیب کو مخصوص ثقافت اسی وقت کہا جاتا ہے جب وہ کسی کثیر آبادی میں طویل عرصہ تک قائم رہے کیونکہ صفحاتِ تاریخ پر اس کی یاد اسی صورت میں محفوظ رہتی ہے جبکہ اس نے کسی خاص خطے میں اپنے خاص نقوش باقی چھوڑے ہوں ۔

اِن مختصر وضاحتی اشاروں کے بعد نواب محسن الملک اور گستاؤلی بان کی تصانیف سے دیئے گیے اقتباسات (متذکرۂ الصدر) کو دوبارہ پڑھیں تو ان عبارات کی گہرائی کا اندازہ کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے ۔

فنونِ لطیفہ : (اس بحث میں انسائیکلوپیڈیا امریکینا سے بھی استفادہ کیا گیا ہے)

ثقافت کے جملہ لوازمات میں علوم و فنون کی ترقی بھی شامل ہے ۔ فنون کی تعداد بیسیوں سے بھی متجاوز ہے اور انہی میں وہ پانچ فنون شامل ہیں جنھیں فنونِ لطیفہ کہا جاتا ہے سطورِ مابعد میں انہی پر مختصر اً بحث کی جائے گی ۔

فن (ART) ہے کیا چیز ؟ اس سوال کا جواب یونانیوں کے وقت سے تلاش کیا جا رہا ہے ۔ لیکن کوئی قطعی فیصلہ شاید آج تک نہیں ہو پایا ، حالانکہ جواب دینے والوں میں ارسطو سے لے کر بیسویں صدی تک کے تمام نقاد اور محقق شامل ہیں ۔ بہر حال دنیا کے بے شمار فنون کو عموماً دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا رہا ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ ایک وہ فنون ہیں جنھیں بکار آمد فنون (USEFUL ARTS) کہا جاتا ہے۔ ان میں دنیا بھر کے پیشہ ور لوگوں کے کام شامل ہیں۔ مثلاً بڑھئی۔ سنار۔ لوہار وغیرہ کی تخلیقات جن کا مقصدِ تخلیق افادی ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرے وہ فنون جنھیں فنونِ لطیفہ کہا جاتا ہے اور ان سے کوئی جسمانی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ صرف ہمارے ذوقِ جمال کی تسکین کا سامان فراہم کرتے ہیں یا ہماری حسِ لطیف کو بیدار کرتے ہیں۔

یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا کسی کار آمد چیز کی تخلیق یوں نہیں ہوسکتی کہ وہ ہمارے کام بھی آسکے اور اس سے ذوقِ نظر کی تسکین بھی ہوجائے؟ جواب واضح اور سہل ہے کیونکہ گھریلو استعمال کی بہت سی چیزیں کار آمد ہونے کے ساتھ ساتھ جمالیاتی پہلو بھی لیے ہوتی ہیں بلکہ بالعکس بھی عموماً وہی پسندیدہ ہوتا ہے جو خوب صورت ہو۔ گویا فنونِ لطیفہ کو صرف شاعری۔ موسیقی۔ مصوری۔ سنگ تراشی اور فنِ تعمیر تک محدود کردینا آسان نہ ہوگا۔ اور جہاں تک حسِ لطیف کی بیداری اور جمالیاتی ذوق کی تسکین کا تعلق ہے ہمیں ان کے علاوہ بھی کئی چیزوں کو لطیف کہنا ہوگا۔ مثلاً فرنیچر، ظروف سازی، دھات کا کام۔ کپڑوں پر بیل بوٹے کا کام۔ جلد سازی وغیرہ کہ یہ تمام کار آمد تو ہیں ہی لیکن ساتھ ہی خوب صورت بھی ہوسکتے ہیں۔ بلکہ عموماً ہوتے ہیں۔ پس اس لحاظ سے فنون کی دو نہیں بلکہ تین اقسام ہوئیں:۔

(۱) کار آمد فنون (USEFUL ARTS) (۲) فنونِ لطیفہ (FINE ARTS) اور (۳) وہ فنون جو کار آمد بھی ہیں اور جمالیاتی پہلو بھی لیے ہوتے ہیں (INDUSTRIAL ARTS) تاہم یہ ایک بدیہی امر ہے کہ فنون کی پہلی قسم تو ہمارے موضوع سے قطعی غیر متعلق ہے اور تیسری قسم کے فنون اس لیے شاملِ بحث نہیں کیے جاسکتے کہ وہ اپنی تمام رعنائیوں کے باوجود چونکہ بنیادی طور پر مادی ضروریات سے متعلق ہوتے ہیں اس لیے فنونِ لطیفہ کا اطلاق ان پر بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ فنونِ لطیفہ کا تعلق انسانی جذبات سے ہے۔ انسان کی خارجی دنیا اور مادی ضروریات سے نہیں۔ گویا ان کی تخلیق محظوظ ہونے اور محظوظ کرنے کے لیے عمل میں آتی ہے۔ لیکن اس کا مقصد اس کے انجام پذیر ہونے کے ساتھ ہی اختتام پذیر ہوجاتا ہے۔ تصویر کی تکمیل کے ساتھ ہی مصور کا مقصد بھی ختم ہوجاتا ہے۔ لیکن اس بات کا اطلاق فنِ تعمیر پر کیسے ہوسکتا ہے۔ جب کہ اس کی افادیت ظاہر و نمایاں ہے؟ اس کا جواب ہم آئندہ کسی قسط میں دیں گے۔ البتہ دیگر فنونِ لطیفہ یعنی شاعری اور موسیقی پر اس کا اطلاق ایسے ہی ہوتا ہے۔ فنونِ لطیفہ میں موسیقی کے ساتھ رقص اور فنِ تعمیر کے ساتھ نقاشی کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اصل چیز اس کی اقسام نہیں بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ کسی فن کار کا فن مثلاً شاعر کا شعر، مصوّر کی تصویر، سنگتراش کا مجسمہ، موسیقار کا نغمہ وغیرہ کیا واقعی اس قابل بھی ہے کہ اسے ایک فن کار کی تخلیق قرار دیا جا سکے۔

انسانی ذہن سے جو چیز فن کو وجود میں لاتی ہے وہ اُس کا تخیل ہے۔ مولانا حالیؔ نے شاعرانہ تخیل کی تعریف اِن الفاظ میں کی ہے —— "تخیل ایسی قوت ہے کہ معلومات کا ذخیرہ جو تجربہ یا مشاہدہ کے ذریعے سے ذہن میں پہلے سے مہیا ہوتا ہے۔ یہ اس کو مکرر ترتیب دے کر ایک نئی صورت بخشتی ہے اور پھر اس کو الفاظ کے ایسے دلکش پیرایہ میں جلوہ گر کرتی ہے جو معمولی پیرایوں سے بالکل یا کسی قدر الگ ہوتا ہے۔" اگر غور کیا جائے تو یہی قوت تمام فنونِ لطیفہ میں کارفرما نظر آئے گی۔ کیونکہ نہ صرف شعر کے لیے الفاظ بلکہ مصوری، سنگتراشی اور موسیقی کے لیے رنگ ہیئت اور آواز سب کے سب تخیل ہی کے مرہونِ منت ہیں۔ یہ تخیل نتیجہ ہوتا ہے۔ خارجی مشاہدات و تجربات کے بعد فن کار کے داخلی احساس کا۔ یعنی وہ یہ دکھانے کے بعد کہ یہ "یوں ہے" یہ دکھانا چاہتا ہے کہ یہ "یوں بھی ہو سکتا ہے"۔ یا "یہ یوں ہونا چاہیئے"۔ یا "یوں کیوں نہیں ہے" وغیرہ۔ ہر فن پارے کی بنیاد حس اور احساس پر ہوتی ہے۔ پھول کو دیکھ کر ایک فن کار (مثلاً مصوّر) کسی ماہرِ نباتات کی طرح اس کا نباتاتی تجزیہ کر کے یہ نہیں معلوم کرنا چاہتا کہ اس کا تعلق کس خاندان یا کس قسم سے ہے۔ نہ ہی کسی عطار کی طرح وہ یہ جاننے کی خواہش رکھتا ہے کہ آیا اس سے گلقند تیار کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اور نہ کسی گل فروش کی طرح اُسے لپک کر توڑنے اور ہار پرونے کے لیے بیتاب ہوتا ہے بلکہ وہ اسے صرف دیکھتا ہے اور محظوظ ہوتا ہے اور پھر اس کی تصویر سے ہمیں محظوظ کرنا چاہتا ہے۔ بلبل کی تلاش صیاد کو بھی ہوتی ہے لیکن کیوں؟ اسے پکڑنے کے لیے! لیکن ایک شاعر کے لیے اس کی نغمہ سرائی ہی بس ہے بلکہ وہ اس کے غم میں شرکت کا متمنی ہوتا ہے۔ اب کہنے کو گلچیں بھی انسان اور مصوّر بھی انسان! اسی طرح صیاد اور شاعر بھی دونوں انسان لیکن فرق صرف جذبات اور احساسات کا ہے۔ ایک کی مادہ پرستی تخریبی ہے۔ دوسرے کی جمال پرستی تخلیقی۔ پس تخیل کا تخلیقی ہونا لازمی ہے یعنی جو سوچا جائے اُسے کوئی صورت بھی عطا کی جائے۔ ہر انسان کے احساسات دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ کیونکہ انسانی جذبات کو سکون کہاں؟ اسی لیے تو کہا گیا ہے کہ ہر فن کار کی ہر فنی تخلیق اس کا شاہکار کہلانے کی مستحق ہوتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس تنوع کے باوجود وہ روایت سے الگ نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ روایت سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بغاوت کے باوجود وہ اِس سے یکسر اپنا ناطہ نہیں توڑ سکتا۔ مثلاً شاعر کے واردات کتنے ہی تازہ کیوں نہ ہوں وہ نئے الفاظ وضع نہیں کرتا۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ یہی کرتا ہے کہ مروّجہ الفاظ کو نئے معنی کا جامہ پہنا دیتا ہے۔ گویا روایت سے الگ ہو کر بھی اس سے الگ ہونا مشکل ہے۔ یہی حال مصوّر کا ہے کہ وہ نئے زاویے، نئے خطوط، نئے رنگ ایجاد نہیں کرتا صرف یہی کرتا ہے کہ انھیں نئے انداز سے کام میں لاتا ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ شاعری کی نسبت مصوّری میں واقع ہونے والی تبدیلیاں ذرا زیادہ جلدی پھیل جاتی ہیں کیونکہ شاعر کے پاس الفاظ ہوتے ہیں جو ہر زبان کے الگ الگ ہوتے ہیں اور مصوّر کے زاویے خطوط اور رنگ وغیرہ ہر جگہ وہی ہوتے ہیں۔ روایت سے اسی قسم کی بغاوت موسیقی اور تعمیر میں بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن روایت کا ایک پہلو مستقل بھی ہوتا ہے جس میں ترمیم نہیں ہو سکتی۔ اور وہ ہے کسی فنی شاہکار کو اپنے ماحول کے مطابق تیار کرنا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کلاسیکی فن کی نقل اُتارنا ہی آرٹ نہیں ہے۔ اگرچہ ارسطو کا قدیم نظریہ یہی ہے کہ نیچر کی نقالی کا نام ہی آرٹ ہے۔ لیکن ایک اہم سوال یہ ہے کہ نیچر سے آخر کیا مراد ہے؟ اگر اس سے فقط خارجی دنیا مراد لی جائے تو اس کی بہترین نقل فی زمانہ تو فوٹوگرافی ہو سکتی ہے جو کہ اونچے درجے کا آرٹ ہرگز نہیں ہے پس یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک آرٹسٹ خالی نقل ہی نہیں اُتارتا بلکہ اپنے تخیل سے اپنے احساس اور مشاہدات کی ترجمانی اپنے فن کے ذریعے کر دیتا ہے۔ جو نقل نہیں بلکہ تخلیق ہے اور پھر نقل مصوّری اور سنگ تراشی میں تو خیر ہو بھی سکتی ہے۔ لیکن موسیقی اور شاعری میں نقل کا مطلب سمجھنا دشوار ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ تعمیر میں نقل یعنی چہ؟ عمارت تو نیچر کی کسی چیز سے بظاہر نہیں ملتی۔ تاج محل کون سے پہاڑ کی نقل ہے؟ ہاں نیچر سے اگر فطری پن (NATURALNESS) مراد لی جائے تو یہ لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یعنی فطرت کے مطابق جس میں تصنع اور بناوٹ نہ ہو، گویا ایک مصنوعی تصویر یا مصنوعی نظم آرٹ میں شامل نہیں۔ کیونکہ وہ حسین نہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حسین کسے کہتے ہیں؟ ایک فلسفی شاعر شاید اس کے جواب میں معاً یہ کہہ دے کہ ع حسین وہی ہے حقیقت زوال ہے جس کی لیکن دراصل اس کا جواب اتنا سہل نہیں بلکہ خاصہ دشوار ہے۔ حسن کی کوئی جامع و مانع تعریف نہیں کی جا سکتی۔ جو چیز ایک کے لیے حسین ہے ضروری نہیں کہ دوسروں کے لیے بھی حسین ہی ہو۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو آرٹ کا حسین ہونا ضروری نہیں یعنی یہ لازمی نہیں کہ حسین چیزوں کو ہی آرٹ میں ظاہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا جائے۔ ایک برگِ خزاں دیدہ بھی اس کے اظہار کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ پھوڑے پھنسیوں سے بھرے ہوئے جسم والے کتے کو دیکھ کر ہمارا جی متلانے لگتا ہے۔ لیکن اگر اسی کی ہو بہو تصویر بنا دی جائے تو ہم اسے شوق سے نہ صرف دیکھنے لگتے ہیں بلکہ اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ آرٹ کی دنیا بھی عجیب ہی ہوتی ہے۔ علم ریاضی بھی اس کا محرک ہو سکتا ہے کہ ریاضی کی ترتیب توازن اور تناسب سے ایک ماہر آرٹسٹ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ آرٹسٹ ہونے کے لیے ریاضی دان ہونا بھی ضروری ہے، بات تو صرف آرٹسٹ کی ذہنی تحریک کی ہو رہی ہے اور یہ تحریک اخلاقی تصورات سے بھی ہو سکتی ہے۔ اگرچہ اس صورت میں غیر معمولی چابکدستی درکار ہوگی۔ ایک المیہ ضروری نہیں کہ محض رونے رلانے کا ذریعہ ہو بلکہ بقول ارسطو وہ غم سے نجات دلانے کا ذریعہ بھی ہو سکتا ہے۔ فن برائے فن کا (غلط یا صحیح) نظریہ بھی اسی صورت میں معنی خیز ہو سکتا ہے کہ آرٹسٹ اپنے آرٹ کو مذہب، صحیفہ، اخلاق یا سائنس قرار نہ دے اور انسانی زندگی سے دور رہنے کی کوشش نہ کرے۔ یعنی یہ بنیادی چیز فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ فنِ لطیف وہی آرٹ ہے جو برائے آرٹ ہی تخلیق کیا گیا ہو اور زندگی سے دور نہ ہٹنے کا مقصد یہ ہے کہ اس میں عقل و ذہانت کا عنصر بھی موجود ہو، کیونکہ آرٹسٹ جو کچھ بھی کرے اس کے کچھ معنی تو ضرور ہوتے ہیں۔ تصویر میں منظر، نظم میں کہانی (مذہبی۔ اخلاقی یا کوئی اور)، مجسمے میں کسی یادگارِ زمانہ ہستی کی شبیہہ، گانے میں جنگ، محبت یا حب الوطنی کا خیال، عمارت میں عظمت و جلال وغیرہ ـــ غرض فنونِ لطیفہ کی کوئی تخلیق معنی آفرینی سے عاری نہیں ہو سکتی۔ اور اس اعتبار سے اس کی براہِ راست اپیل عقل و ذہن کو ہوتی ہے اور احساسات کو بعد میں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے خالص فنی جمالیاتی پہلو سے لطف اندوز ہونے کے لیے ذہنی تسکین کے جذبے کو تھوڑی دیر کے لیے خیرباد بھی کہنا پڑتا ہے۔

ایک تصویر عقلی نقطۂ نظر سے غیر دلچسپ ہو سکتی ہے۔ لیکن جمالیاتی اپیل اس میں بھی عین ممکن ہے اس کے برعکس بعض تصاویر عقلی لحاظ سے بہت کچھ بامعنی ہونے کے باوصف آرٹ کے نقطۂ نظر سے نہایت بھونڈی بھی ہو سکتی ہیں جیسے کہ اخبارات میں کارٹون وغیرہ ہوتے ہیں۔ جذباتی اور جمالیاتی اپیل توازن، ترتیب، تناسب اور صفائی سے ہی ممکن ہو سکتی ہے۔ چنانچہ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ آرٹسٹ جس کے آرٹ میں جمال بھی ہو اور تعقل بھی، وہ بے شک اونچے درجے کا فنکار ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمام فنونِ لطیفہ کی تہ میں جو اصول کار فرما ہیں وہ تقریب قریب ایک سے ہیں۔ ہر فنی تخلیق (شاعری۔ موسیقی و رقص مصوری۔ سنگتراشی و نقاشی یا فنِ تعمیر) میں ایک بنیادی خیال، اہم تصوّر یا خاص نظریہ کا پایا جانا ضروری ہے۔ جو اس تخلیق کے ہر زاویے سے عیاں ہو۔ تخلیق کے موضوع اور اس کے جمالیاتی پہلو میں جہاں ایک حسین امتزاج کی ضرورت ہے وہاں ان میں باہم امتیاز بھی لازمی ہے کیونکہ ایک ارفع موضوع جمالیات کی عدم موجودگی میں لچر صورت اختیار کر سکتا ہے اور کسی پوچ سے خیال کو ایک اعلیٰ فن کار ارفعیت کے درجے پر پہنچا سکتا ہے۔ گویا ہر تخلیق میں آرٹسٹ کی شخصیت بے حد اہمیت رکھتی ہے۔

یہ فن کار کی شخصیت ہی ہوتی ہے جو فن کو ارفعیت کے درجے پر پہنچا سکتی ہے۔ کیونکہ کوئی بھی فنی تخلیق صاحبِ تخلیق کی شخصیت کے بغیر مکمل ہو ہی نہیں سکتی۔ موسیقی کیا ہے؟ آواز کے نشیب و فراز کے ذریعہ فن کار کے جذبات کا اظہار ۔

آیا کہاں سے نالہ رسنے میں سُرورِ مے ۔۔۔ اصل اس کی نے نواز کا دل ہے کہ چوبِ نے

شاعری ؟ الفاظ کی صورت میں اخلاقی یا روحانی تصوّر کا آشکار کرنا !

مصوّری ؟ حسنِ فطرت کی شبیہہ فن کار کی شخصیت کے آئینے میں !

فنِ تعمیر ؟ ارفعیت، شوکت، تجمّل کی توضیح و تشریح جو صاحبِ تعمیر کے ذہن میں ہوتی ہے !

سنگتراشی؟ فن کار کے ہاتھوں پتھر کا زندگی حاصل کرنا وغیرہ ۔

پس وہ کون سا فنِ لطیف ہے جس میں فنکار کی شخصیت کا بھرپور عکس دکھائی نہ دیتا ہو، کیونکہ وہ اس کی تخلیق اپنے خونِ جگر سے کرتا ہے۔ اسی لیے پہلے کسی جگہ ہم یہ رائے دے چکے ہیں کہ فوٹو گرافی کو اونچے درجے کا فن نہیں کہہ سکتے، کیونکہ اس میں فن کار کی شخصیت کی جگہ کیمرہ لے لیتا ہے۔ اس میں فن کار کے تخیّل کو بہت کم دخل حاصل ہوتا ہے اور تخیّل کے بغیر فن عظمت حاصل نہیں کر سکتا۔ عظیم تخلیق وہی ہے جو نہ صرف ذوقِ جمال کی تسکین کا باعث ہو بلکہ ساتھ ہی روحانی مسرّت بھی عطا کرے۔ اور ہمیں کچھ وقت کے لیے ایک غیر مرئی عالم میں لے جائے جہاں کھو جانے کے باوجود ہم کوئی گمشدہ پا جائیں بے خودی کے باوجود خودی کو بیدار پائیں اور فن کار نے تخلیق کی تہہ میں جو گوہرِ معنی چھپا رکھے ہیں اُن سے اپنے دامنِ ذوق کو بھر سکیں۔ فن کار کا ذہن خالی نہیں ہو سکتا۔ اس میں ہزاروں حقیقتیں آباد ہوتی ہیں معانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی دُنیائیں وہاں بس رہی ہوتی ہیں۔ اِس محشرِ خیال میں خلوت بھی انجمن بن جاتی ہے۔ اس کی تنہائیاں ہی اس کی رازداں ہوتی ہیں۔ اس کے قلب و ذہن کی بیقراریاں قلم، رنگ، آواز، آئینہ یا سنگ و خشت میں سما جاتی ہیں اور وہی اس کی تخلیق ہوتی ہے۔ پس اسے دلِ گرم کا مالک (INSPIRED) ہونا چاہیئے تاکہ اس کی تخلیقات دوسروں کے دلوں کو گرما سکیں۔ فن کی عظیم تخلیق کبھی اتفاقی نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ عظیم شخصیت ہی عظیم فن کی تخلیق کیا کرتی ہے۔ فن کار کی شخصیت کو جو چیز اس کی تخلیق میں نمایاں کرتی ہے وہ اس کا اسلوب یا سلیقہ ہے جو نہ صرف انفرادی ہوتا ہے بلکہ اس کی قوم کے مزاج کے مطابق بھی ہوتا ہے۔ "یونانی آرٹ"، "رومن آرٹ"، "ایرانی آرٹ" وغیرہ کے الفاظ اس کے گواہ ہیں۔ گویا ایک فن کار اپنی تخلیق میں نہ صرف اپنے ذاتی اور انفرادی تخیل و تصورات پیش کرتا ہے بلکہ دانستہ یا نادانستہ وہ اپنے ملکی و قومی مزاج کی نمائندگی یا کم سے کم غمازی کر رہا ہوتا ہے۔

اس بحث کی عمومی حیثیت پہ روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم اس کے ایک خاص پہلو کی طرف رجوع کرتے ہیں:-

نواب محسن الملک کی جس تصنیف سے ایک اقتباس ہم ابتداء میں پیش کر چکے ہیں اس میں انھوں نے آگے چل کر لکھا ہے کہ "مذہب کو قوموں کی تہذیب پہ بہت بڑا اثر ہوتا ہے"۔ (صفحہ ٣) اسی طرح ڈاکٹر لی بان نے مذہب کو تشکیلِ تمدن و تہذیب کا ایک اہم عامل قرار دیا ہے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ اسلام نے دنیا کو جس عظیم الشان تمدن و تہذیب سے روشناس کرایا اس کی مثال آسانی سے دستیاب نہیں ہو سکتی۔ ڈاکٹر لی بان نے تمدن عرب کے صفحہ ١٥١ پر لکھا ہے کہ "مختلف ممالک میں آباد ہونے کے باعث مسلمانوں کے اسبابِ معیشت مختلف تھے۔ لہٰذا ان کا تمدن بھی ہر جگہ مختلف تھا۔" لیکن ہمارے نزدیک اس دُوری و اختلاف میں پراگندگی کی صورت کبھی اس قدر نمایاں نہ تھی کہ انھیں پہچانا نہ جا سکے۔ اس انتشار میں بھی یکجائی تھی اور یہ کثرت بھی ایک وحدت کی نمائندہ تھی۔ چنانچہ دُنیا میں ایک ایسا کلچر وجود میں آیا جسے اسلامی ثقافت (ISLAMIC CULTRE) کہا جاتا ہے جس کی عظمت کا اعتراف اس کے بدترین دشمنوں نے بھی کیا ہے۔ بلکہ اسی کے خاص خاص پہلوؤں کو پوری طرح اپنا کر اہلِ مغرب آج عالمی تہذیب کے علمبردار بنے بیٹھے ہیں۔

مسلمانوں نے تہذیب و ثقافت کو ایک نئے انداز میں فروغ دیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انھوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے تہذیب و ثقافت کے جملہ لوازمات کو ترقی دی۔ اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا انہی لوازمات میں فنون بھی شامل ہیں۔ ان فنون کے بارے میں مسلمانوں کا رویّہ کیا اور کیسا رہا اور ان کے فروغ و ترقی میں انہوں نے کیا کردار ادا کیا؟ اس کا جواب ہم آئندہ صحبت میں دیں گے (انشاءاللہ)

الفہرست

از محمد بن اسحاق ابنِ ندیم وراق۔ اُردو ترجمہ: مولانا محمد اسحاق بھٹی

یہ کتاب چوتھی صدی ہجری تک کے علوم و فنون، سیر و رجال اور کتب و مصنّفین کی مستند تاریخ ہے۔ اس میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں، قرآن مجید، نزولِ قرآن، جمع قرآن اور قرار قرآن، فصاحت و بلاغت، ادب و انشا اور اس کے مختلف مکاتبِ فکر، حدیث و فقہ اور اس کے تمام مدارس فکر، علم نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی و حساب، سحر و شعبدہ بازی، طب اور صنعت کیمیا وغیرہ تمام علوم، ان کے علما و ماہرین اور اس سلسلہ کی تصنیفات کے بارے میں اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں واضح کیا گیا ہے کہ یہ علوم کب اور کیونکر عالمِ وجود میں آئے۔ پھر ہندوستان اور چین وغیرہ میں اس وقت جو مذاہب رائج تھے ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس دور میں دنیا کے کس کس خطّے میں کیا کیا زبانیں رائج اور بولی جاتی تھیں اور ان کی تحریر و کتابت کے کیا اسلوب تھے۔ ان کی ابتدا کس طرح ہوئی اور وہ ترقی و ارتقا کی کن کن منازل سے گزریں۔ ان زبانوں کی کتابت کے نمونے بھی دیے گئے ہیں۔

ترجمہ اصل عربی کتاب کے کئی مطبوعہ نسخے سامنے رکھ کر کیا گیا ہے اور جگہ جگہ ضروری حواشی بھی دیے گئے ہیں جس سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔ صفحات ۸۶۴۔ قیمت ۲۰ روپے۔

ملنے کا پتہ

ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور

© rasailojaraid.com